خواطر و سوانح

مجرم کون ہے؟

از قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی فاضل دیوبند

سید مصطفیٰ لطفی المنفلوطی مصر کے دور جدید کے ادبا میں صاحب طرز ادیب تھے، آپ کے افسانے اور مضامین اخلاق و موعظت کا خزانہ ہوتے ہیں، اُن کو دلچسپ و مؤثر پیرایۂ بیان کے ساتھ اصلاحی مضامین لکھنے میں کمال تھا۔ ہمارے محترم دوست قاضی زین العابدین صاحب سجّاد میرٹھی جواب سے پہلے "العبرات" کے منتخب افسانوں کا کامیاب اُردو ترجمہ "مصری افسانے" کے عنوان سے شائع کرچکے ہیں، اب اُنھوں نے "برھان" کے لیے منفلوطی مرحوم کی کتاب "النظرات" میں سے چیدہ چیدہ اخلاقی مضامین کا ترجمہ کرنے کا عزم کیا ہے۔ قاضی صاحب کسی مضمون کو عربی سے اُردو میں منتقل کرنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اُمید ہے کہ قارئین اس سلسلہ کو پسند کرینگے۔ "برہان"

اے قتل کے مجرم! جو خزانوں سے دولت، اور جسموں سے روحیں جُدا کرتا رہا ہے، میں تیرے گناہوں کی سزا پر جو تجھے بہرحال بھگتنی ہے، لعنت و ملامت کا اضافہ نہ کرونگا، اور نہ تیرے متعلق وہ رائے قائم کرونگا، جو اُس جج نے قائم کی ہے جس نے فیصلہ کرنے میں انصاف سے کام نہیں لیا، یہ اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ تو ان جرموں کا تنہا ذمہ دار نہیں، بلکہ کچھ اور لوگ بھی تیرے برابر کے شریک ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ کم ازکم اظہار رائے میں میں تیرے ساتھ انصاف کروں، خواہ میں تجھے فائدہ نہ پہنچا سکوں!

تیرے جرم کے شریک تیرے مربی ہیں، جنھوں نے بچپن میں تیری تربیت کا خیال نہ کیا، اور تجھے اوباشوں میں اُٹھنے بیٹھنے سے نہ روکا۔ بلکہ اکثر جب تو نے اپنے کسی ساتھی کو بے وجہ مارا تو اُنھوں نے تیری کمر ٹھونکی، اور جب تو نے اپنے کسی دوست کی جیب سے پیسے یا کوئی کھانے پینے کی چیز اُڑائی، تو اُنھوں نے تجھے شاباشی دی۔ دراصل اُنھوں نے تیرے نفس میں گناہ کا بیج بویا اور پھر تعریف و توصیف سے اُس کو سینچا، یہاں تک کہ وہ بڑھا، پھلا پھولا اور تیرے لیے پھانسی کے پھندے کی صورت میں کڑوا پھل لایا۔

اس وقت وہ لوگ کھڑے آنسو بہا رہے ہے، اور ٹھنڈی سانسیں کھینچ رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھنے کی کوشش کرتے کہ اصل مجرم وہ خود ہیں اور یہ پھانسی کی رسی اُن کے اپنے ہاتھوں کی بٹی ہوئی ہے۔ تو وہ قانون کی لغزشوں پر خوش ہوتے، اور خدا کے سامنے سجدہ شکر کے لیے جھک جاتے کہ جو پھانسی ان کے گلے میں پڑنی تھی وہ تیرے گلے میں پڑی اور جو ہتھکڑیاں اُنھیں پہننی تھیں وہ تو نے پہنیں!

تیرے جرم کی شریک وہ سوسائٹی ہے جس نے تجھے ان حرکات پر جری کیا، کیونکہ جب تو قتل کرتا تھا تو تجھے بہادر کہا جاتا تھا، جب تو چوری کرتا تھا تو تجھے ذہین بتایا جاتا ہے، جب تو فریب دیتا تھا تو تجھے چالاک سمجھا جاتا تھا، تجھ سے فاتحین کی طرح ڈرا جاتا تھا اور علماء کی طرح تیری تعظیم کی جاتی تھی۔ جب کبھی تو سوسائٹی کے کے خیالات کے آئینہ میں اپنے اعمال کی تصویر دیکھتا تھا تو وہ تجھے حسن و جمال کا پیکر نظر آتی تھی۔ اور تیری آرزو ہوتی تھی کہ تیرا یہ حسن سدا قائم رہے۔ اگر سوسائٹی سچائی اور نصیحت کے آئینہ میں، تجھے تیرے افعال کے اصلی خدوخال دیکھنے کا موقعہ دیتی تو تو یقیناً ان کی بھیانک صورت دیکھ کر سہم جاتا، اور زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگتا۔

تیرے گناہ کی شریک حکومت ہے۔ کیونکہ تیرا یہ جرم انسانی گناہوں کی طویل زنجیر کی آخری

کڑی ہے۔ حکومت دیکھ رہی تھی کہ تو یکے بعد دیگرے اس زنجیر کے حلقوں کو پکڑتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، مگر اس نے زنجیر کو تیرے ہاتھ سے نہیں چھینا اور تجھے آگے بڑھنے سے نہ روکا۔ اگر حکومت ایسا کرتی تو یقیناً تو آج اس مقام پر نہ ہوتا۔ حکومت کے لیے ممکن تھا کہ وہ تجھے تعلیم دیتی، تیری عقل کو روشن، اور تیرے اخلاق کو آراستہ کرتی، شراب خانوں اور قحبہ خانوں میں تالے ڈال دیتی کہ تو وہاں نہ پہنچ سکے اور بدمعاشوں اور غنڈوں کو ملک بدر کردیتی کہ تو ان سے مل جل نہ سکے اور مقتول سے تیرا حق دلاتی کہ تیری آتشِ انتقام کے شعلے خون کے قطروں کی صورت اختیار نہ کریں۔ غرض حکومت کے لیے بآسانی ممکن تھا کہ وہ مرض کا اس وقت علاج کرتی جبکہ وہ مہلک نہ ہوا تھا۔ مگر اُس نے کبھی اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کیا اور غفلت یا بناوٹ کی نیند سوتی رہی، یہاں تک کہ تو نے مقتول پر قاتلانہ حملہ کیا اور اُس کی دردناک چیخ سے حکومت کی آنکھ کھل گئی۔ اب وہ جھوٹی بہادری اور فریب کارانہ انصاف کا ڈرامہ کھیلنے کے لیے پولیس کی سنگینوں اور جلادوں کی تلواروں کے جھرمٹ میں اسٹیج پر آگئی اور اُس نے صرف یہ کارنامہ انجام دیا کہ تیرے سر کو جسم سے علیٰحدہ کردیا۔

٭

یہ لوگ تیرے جرم کے شریک ہیں، اے مجرم! قسم ہے خدا کی اگر میں جج ہوتا تو میں تجھے صرف تیری حصہ رسد سزا دیتا اور ان پھانسی کے تختوں کو تجھ میں اور تیرے شریکوں میں برابر برابر تقسیم کردیتا۔ لیکن افسوس! میں تجھے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اے مظلوم مقتول! خدا تجھ پر رحم کرے!

(منفلوطی)

مزار کا صندوق

جناب فاضلِ محترم!

سید بدوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ میں ایک صندوق لٹکا رہتا ہے جس میں نذر نیاز کے پیسے ڈال دیے

جاتے ہیں۔ اس صندوق کی مجموعی رقم کا اوسط سالانہ چھ ہزار گنی ہے۔ جب یہ صندق کھولا جاتا ہے تو اس رقم کا چوتھائی حصہ تو سجادہ نشیں کے حصہ میں آتا ہے اور باقی تین چوتھائی درگاہ شریف کے پیرزادوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔

کیا آپ کی رائے میں یہ تقسیم شریعت کے مطابق ہے؟ اے محترم فاضل! انصاف اور شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کیجیے جس نے بہت سے خدا کے احتیاط پسند بندوں کو الجھن میں ڈال رکھا ہے

(ابن جلا)

اے مستفتی!

آپ مجھ سے اس مال کی شرعی تقسیم کے متعلق سوال کرتے ہیں اور آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی کسی میت کا ترکہ ہے جس میں ورثاء کے حصہ رسد حقوق ہیں۔ اپنے علم کے مطابق، میرا دعویٰ ہے کہ سید بدویؒ کے صندوق کے حصہ داروں میں سے کوئی بھی اس کا مستحق نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس صندوق میں پیسے ڈالتے ہیں ان کا ہرگز بھی یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ یہ پیسے ان شکم سیر فقیروں کو دے رہے ہیں۔ اگر اُن کا قصد یہ ہوتا تو وہ براہِ راست ان کو دے سکتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب مزار اپنی قبر میں، زندگی کے تمام عادی لوازم کے ساتھ زندہ ہیں، وہ ان کی دعائیں سُنتے ہیں، ان کی درخواستیں منظور کرتے ہیں، اور ان کے تحائف قبول کرتے ہیں۔ اس اعتقاد کی بنا پر اُنھوں نے ضروری سمجھا کہ دنیوی پادشاہوں کی طرح ان کے پاس بھی "خزانہ" ہو چنانچہ جب وہ اس دربار میں حاضری دیتے ہیں تو کچھ نہ کچھ رقم اس خزانۂ شاہی میں نذر کے طور پر ڈالتے ہیں کیونکہ وہ اس نذر کو صاحب مزار کے ہاتھ پر نہیں رکھ سکتے۔

رہ گئی یہ بات کہ صاحب مزار کو جس نے ہمیشہ اپنی زندگی میں روپے پیسے کو ٹھکرایا، اور کبھی اپنے دامن کو متاعِ دنیا کی نجاست سے آلودہ نہ کیا، مرنے کے بعد اس کی کیا ضرورت ہے؟ سو یہ ان کی فہم سے بالاتر ہے۔

اگر آپ میری رائے سے اختلاف کریں، اور کہیں کہ بعض زائرین کو معلوم ہوتا ہے کہ رقم صاحبِ مزار کے نہیں بلکہ سجادہ نشینوں اور مجاوروں کے ہاتھ میں جاتی ہے اور پھر بھی وہ صندوق میں پیسے ڈالتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد انہی کو دینا ہے، تو میں آپ کے اس قول کو تسلیم نہیں کرونگا۔ ذرا یہ سجادہ نشین اور مجاور اس شخص سے براہ راست تو مانگ کر دیکھ لیں۔ اور اس سے پوری نہ سہی، آدھی ہی رقم وصول کر لیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایسا نہ کر سکینگے۔

دراصل زائر یہ سمجھتا ہے کہ صندوق میں رقم ڈال کر وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا اور رقم صاحب مزار تک پہنچ گئی اب یہ کام صاحب مزار کا ہے کہ وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے۔

بہرکیف زائرین مزارات کی یہ نذر و نیاز نہ ہبہ صحیح ہے اور نہ صدقہ مبرور، بلکہ یہ مالِ مہمل ہے، جس سے کسی کی ملکیت ذاتی یا وراثتی حیثیت سے متعلق نہیں۔ فقہی اعتبار سے ایسے مال کو فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا اگر مزار کے مجاوریں میں بھی کچھ واقعی فقیر و محتاج ہوں تو انہیں بھی فقیر و محتاج ہونے کی حیثیت سے اس میں سے کچھ دیا جا سکتا ہے، نہ اس حیثیت سے کہ وہ صاحب مزار کی اولاد ہیں اور اس بنا پر اس مال کے حقدار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی خرافات جاہلیت اولیٰ سے متعلق تھی، آفتابِ اسلام کی ایمان افروز شعاعوں نے، عقائد کی ان تاریکیوں کو چھانٹ دیا ہے۔ اب نہ ہیاکل کا وجود ہے اور نہ مجاورین کا، نہ وسطاء ہیں اور نہ شفعاء، خدا اور بندے کے درمیان ایک سیدھا اور صاف راستہ ہے جس میں ایمان اور یقین ہی کی روشنی رہنمائی کر سکتی ہے اور بس!

یہ میری رائے ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ پڑھنے والے اسے پڑھ کر خوش ہونگے یا ناراض، حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

(منفلوطی)